© rasailojaraid.com

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

مولانا منظور الحق حقانی

ایک دور تھا کہ جب مسلمان امت پوری دنیا پر چھائی ہوئی تھی۔ دعوت اسلامی کے وہ گنتی کے چند سرفروش جو سرور کائنات ﷺ کی قیادت میں مکہ مکرمہ کی وادی سے اٹھے تھے۔ آدھی صدی کے مختصر عرصے میں نصف کرہ ارضی کے حکمران بن گئے۔ اللہ تعالی کے قانون کو تمام قوانین پر بالادستی اور فوقیت دلوادی۔ مشرق و مغرب میں قائم صدیوں پرانی بادشاہی کو انہوں نے آن کی آن میں خلافت مدینہ کے آگے سرنگوں ہونے پر مجبور کر ڈالا۔ ان کی تہذیب ہر تہذیب پر غالب آگئی۔ ان کی شجاعت اور مردانگی نے بہادری کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دئے اور پھر ان کی حکومت گردنوں اور جسموں پر تسلط کی حد تک محدود نہیں رہی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ عوام کے دل ودماغ میں اتر گئی اور وہ لوگ جو کچھ عرصہ پہلے تک مسلمان مجاہدین کو دشمن سمجھ کر ان کے مقابلے کیلئے میدان میں نکل آئے تھے اب ان مجاہدین کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر پورے اخلاص کے ساتھ ان کی صفوں میں شامل ہو گئے اور اسلام کی نعمت دوسری محروم قوموں تک پہنچانے لگے۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلنا شروع ہوا۔ اور یہ نعمت ایک نسل سے دوسرے نسل تک منتقل ہوتی رہی۔

جب تک مسلمان اس نعمت اور اس ہدایت کے تقاضے پورے کرتے رہے، دنیا کی کسی قوم نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ لیکن کامیابی اور ترقی کے عروج پر کچھ عرصہ رہنے کے بعد مسلمانوں پر تساہل اور غفلت کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور وہ آہستہ آہستہ اس بات کو بھولتے گئے۔ کہ جو ہدایت ہمارے اسلاف نے ہم تک پہنچائی ہے ہمیں وہ ہدایت آنے والی نسلوں تک پہنچانی ہے۔ پھر جس قدر ان کی غفلت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی رفتار سے وہ مغلوب ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے اواخر میں تقریباً تمام عالم اسلام غیر مسلموں کے تسلط میں آ گیا۔

آج جب کہ اقوام عالم انسانوں کے بنائے ہوئے تمام نظاموں کو آزما کر ان کے نتائج سے مایوس ہو چکی ہیں، بحیثیت مسلمان ان تک اسلام کی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری ہمارے اوپر آن پڑی ہے اور ہم نے مسلمان ہونے کا اقرار کر کے ایک طرح سے اس ذمہ داری کو قبول بھی کر لیا ہے۔ لیکن کیا ہم اس ذمہ داری کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے اپنی زندگیوں کو اس رنگ میں رنگ لیا ہے جسکی مثالوں سے ہم اپنی تحریروں اور تقریروں کو مزیّن کرتے رہتے ہیں؟ کیا ہماری رسوم اور عادات اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق ہیں؟ کیا ہم نے اللہ تعالی کے قانون کو بالاتر مان کر اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کو اپنا مقتدا تسلیم کر لیا ہے؟

ان سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کیلئے کچھ زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے معاشرے اور ماحول پر ایک نظر ڈالتے ہی ہمیں ان کے جوابات مل جاتے ہیں۔ آج مسلمانوں کی واضح اکثریت اپنے مقصد زندگی کو بھول کر ان امتیازی صفات کو بھی فراموش کر چکی ہے جو ایک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان حدّ فاصل ہوتی ہیں۔ حرام وحلال کی قیود کو بڑی بے باکی سے توڑا جا رہا ہے۔ رشوت، حرام خوری،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عریانی اور بے حیائی کا بازار گرم ہے۔ اخلاقی پہلو پر نظر ڈالیں تو جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی اور غیبت اتنی عام ہوگئی ہے کہ سچے اور جھوٹے کی تمیز ہی مشکل ہوگئی ہے۔ فحش کلامی اور گالم گلوچ عام نوجوانوں کی مجلسوں کا دائمی اسلوب بن گئے ہیں۔ اپنے مخالفین کو نیچا دکھانے کیلئے جھوٹے الزامات لگانا اور جھوٹا پروپیگنڈا کرنا ہمارے عوام وخواص کا مشترکہ مرض بن چکا ہے۔ سیاسی میدان میں دیکھیں تو اسلام کو وہاں سے عملی طور پر بے داخل کر دیا گیا ہے۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کی حالت کو دیکھیں تو افتراق اور انتشار کی جڑیں ان کے اندر دور تک اتری دکھائی دیتی ہیں۔ کچھ غیروں کے آگے جھولی پھیلائے کھڑے ہیں کچھ زباں اور رنگ کو الٰہ بنائے ہوئے ہیں تو کوئی قوم اور وطن کی پوجا میں مصروف ہیں۔ مسلمان مسلمان کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے وسائل مسلمانوں کی تباہی کیلئے استعمال ہو رہے ہیں۔ کہیں اندرونی طور پر اسلام کی بیخ کنی کی جارہی ہے۔ تو کہیں بیرونی دشمن مسلمانوں پر یلغار کر رہے ہیں۔ خونِ مسلم کی ارزانی ہے۔ دشمن جب چاہے اور جہاں چاہے ضرب لگا دیتا ہے۔ معاشرتی، معاشی، سیاسی، مذہبی، تعلیمی، انفرادی اور اجتماعی ہر محاذ دشمن کی توپوں کی زد میں ہے۔ کہیں اسلامی تعلیمات کو مسخ کیا جارہا ہے تو کہیں دینی فرائض اور عبادات کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ کہیں مسلمانوں کی نسل کشی ہو رہی ہے، تو کہیں عیسائی مشنریوں کو فوج ظفر موج انہیں عیسائی بنانے میں مصروف ہے۔ غرض مسلمان ہر لحاظ سے ذلت اور پستی میں گرا ہوا ہے۔ اور اس افسوسناک صورت حال کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس ذلت اور رسوائی کے احساس سے عاری ہو چکی ہے۔ اگر ان میں سے کسی کے دل میں مسلمان ہونے کا احساس پیدا ہو جائے تو یہ کیا کہ مسجد میں جا کر نماز پڑھ لی۔ یہ احساس اگر کچھ اور بڑھ جائے تو رمضان کے روزے بھی رکھ لئے۔ صاحب استطاعت ہو تو حج کر آئے اور سمجھ لیا کہ میری ذمہ داری پوری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کے ذمے میرے لئے جنت واجب ہوگئی۔ اگر کوئی اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ جائے تو مسجد میں وعظ وارشاد اور قرآن خوانی کی ایک مجلس منعقد کر کے سمجھ لیتا ہے کہ مجھے تو یہی کچھ کرنا تھا جو میں نے کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت اپنے شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے میں اسلام لکھوانے تک ہی محدود ہے۔ رہے دوسرے دینی فرائض اور واجبات تو انہیں صرف مولویوں اور اماموں کا کام سمجھ لیا گیا ہے۔

تبدیلی کس طرح ممکن ھے:

یہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس قاعدے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ان اللہ لایغیّر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (الرعد 11) (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدلتی۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ تبدیلی کس طرح ممکن ہے۔ اور اس کیلئے ہماری کیا ذمہ داری بنتی ہے۔ اور ہمیں کیا کردار ادا کرنا ہوگا؟ ان سوالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا جواب ڈھونڈنے کیلئے جب ہم قرآن وسنت سے رجوع کرتے ہیں۔تو یہی جواب ملتا ہے ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (آل عمران 104) ترجمہ: اور تم میں سے ایک گروہ ضرور ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی طرف دعوت دے، بھلائی کے کاموں کا حکم دے۔ اور برائیوں سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ یعنی مسلمان امت پر یہ لازم کردیا گیا کہ وہ دعوت الی اللہ "امر بالمعروف اور نھی عن المنکر" کا اہتمام کرے۔ہم جب مسلمانوں کے ماضی اور حال کا موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کے مسلمان اس بات کو مکمل طور پر سمجھ چکے تھے کہ مسلمان امت بنیادی طور پر ایک داعی امت ہے۔اوران کا کام صرف نماز، روزہ، حج اور زکوۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ انہیں اسلام کی ہدایت دوسری اقوام تک بھی پہنچانی ہے۔اوران میں سے ہر فرداپنی اس ذمہ داری کو محسوس بھی کرتا تھا۔چنانچہ وہ اگر تجارت کی غرض سے کسی دوسری قوم کے پاس گئے تو تجارت کے ساتھ ساتھ اسلام کی دعوت بھی ان تک پہنچادی۔اگر فاتح بن کر کسی ملک میں داخل ہوئے تو اللہ تعالی کی ہدایت بھی اس ملک میں عام کردی۔اگر سیروسیاحت یا تعلیم کی غرض سے کسی علاقے میں گئے تو اپنے اخلاق کی قوت سے گروہوں کے گروہ اسلام کے دائرے میں لے آئے۔غرض انہوں نے دن رات کے کسی بھی لمحے میں دعوت دین کے فریضے سے غفلت نہیں برتی اور یہی ان کی کامیابی کا راز تھا۔اس کے برعکس موجودہ زمانے کے مسلمانوں نے دین اسلام کی دعوت وتبلیغ کے فریضے کونظر انداز کررکھا ہے۔دین کو نماز، روز، زکوۃ اور حج تک محدود کر کے دعوت وتبلیغ کو صرف مولویوں اور واعظوں کا کام سمجھ لیا ہے۔حالانکہ دعوت اور تبلیغ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی طرح ذمے ہے۔قرآن کریم کے مطابق کامیابی اور فلاح صرف ان لوگوں کیلئے مخصوص ہے جو خیر کی طرف بلائیں، بھلائی کے کاموں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔اس فریضہ دعوت کو جب اور جہاں بھی مسلمانوں نے پورا کردیا، دنیا اور آخرت کی کامیابی ان کے قدم چومے۔

دعوت الی اللہ کے بغیر سرور دو عالم ﷺ کے امتی ہونے کا دعوی غلط ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ قل ھذہ سبیلی أدعوا إلی اللہ علی بصیرۃ أنا ومن اتبعنی وسبحان اللہ وما أنا من المشرکین (یوسف ۱۰۸) ترجمہ: اے پیغمبر تم ان سے صاف کہدو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں خود بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔اور جو میرا اتباع کرتے ہیں وہ بھی، اور اللہ تعالی پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس آیت قرآنی سے چار باتیں واضح طور پر سامنے آجاتی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کیطرف دعوت دینا نبی ﷺ کی اتباع کے ساتھ لازم ہے اور جو اس دعوت سے غفلت برتے گا وہ حضور ﷺ کا پیرو نہیں ہوسکتا۔

۲۔رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالی کیطرف سے تبلیغ دین کی جو ذمہ داری ہے پوری امت مسلمہ اس ذمہ داری میں ان کے ساتھ برابر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شریک ہے۔اس لئے کوئی مومن اس ذمہ داری کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔

۳۔مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ اسے دین کی حقیقت اور اس کی طرف بلانے کے طریقوں کے بارے میں پوری بصیرت حاصل ہو۔

۴۔آیت کا خاتمہ و ما انا من المشرکین اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، کے الفاظ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دعوت الی اللہ کے فریضے کو نظر انداز کرنا مشرکین کی خصلت ہے۔

دعوت إلی اللہ ہر مسلمان پر فرض ہے:

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک أضعف الایمان ترجمہ: تم میں سے جو بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر یہ نہیں کرسکتا تو زبان کے ذریعے روکے، یہ بھی نہیں کرسکتا تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب ایک لاکھ سے زائد مسلمان موجود تھے، حضور ﷺ نے حکم دیا فلیبلّغ الشاھد الغائب تم میں سے جو بھی یہاں موجود ہے وہ میری باتوں کو ان لوگوں تک پہنچادے جو اس وقت موجود نہیں ہیں۔شاہد سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جسے دین کے بارے میں کچھ بھی علم ہو، اور غائب سے مراد ہر وہ انسان ہے جسے علم نہ ہو۔اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ کسی بھی مسلمان کو دین کے بارے میں جو کچھ بھی علم ہو، اس پر فرض ہے کہ اسے دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر مسلمان امت کی امتیازی صفت ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس امت کی فضیلت اور برتری ان شرائط کے ساتھ بیان فرمائی ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ (آل عمران ۱۱۰) دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ میں سے ایک شرط بھی زائل ہو جائے تو پھر یہ اُمت اس فضیلت کی مستحق نہیں رہے گی جو اللہ تعالیٰ نے ایک اعزاز کے طور پر انہیں بخشی ہے۔

فریضہ دعوت سے غفلت عذاب الٰہی کا سبب بنتی ہے:

احکام الٰہی کی اطاعت اگر نعمتوں اور برکتوں کے نزول کا باعث ہو تو اس کی نافرمانی عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”پس جب وہ ان تعلیمات کو بھول گئے ہیں جن کی نصیحت انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو عذاب سے نجات دلادی جو برائی سے روکتے تھے اور ان میں سے جو لوگ ظلم کرتے تھے انہیں ان کے فسق و فجور کی وجہ سے بدترین عذاب کی گرفت میں لے لیا۔“ (الاعراف ۱۶۵) اسی طرح سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے ان الناس اذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رأو المنکر فلم یغیروہ اوشک اللہ ان یعمھم بعذاب منہ ”جب بھی لوگ برائی کو دیکھیں اور اسے روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب عام کردے“۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے لتامرون بالمعروف ولتنھون عن المنکر أولیسلطن اللہ علیکم شرارکم ثم یدعو خیارکم فلا یستجاب لھم ”تم ضرور بھلائی کا حکم دوگے اور برائی سے روکوگے ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے بدترین لوگوں کو مسلط کردے گا اور پھر تمہاری بہترین (نیک) لوگ دعائیں کریں گے لیکن ان کی دعائیں نہیں سنی جائیں گی۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کو جب نظر انداز کیا جائے تو وہ دعاؤں کی شرف قبولیت بھی ختم ہوجاتی ہے۔

دعوت إلی اللہ مومن اور منافق کے درمیان بنیادی فرق ہے:

مومن اور منافق کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ مومن اللہ کی حدود کو ٹوٹتے دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا بلکہ لازمی طور پر اس کی حفاظت کرنے کی کوشش کرے گا۔ جبکہ منافق اللہ کی حدود کو ٹوٹتے دیکھ کر خوش ہوگا بلکہ خود بھی کوشش کرے گا کہ معاشرے میں برائیاں پھیلیں اور بھلائیاں ختم ہوجائیں۔ اسی فرق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے: والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر (التوبہ ۷۱) ترجمہ: مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں منافقین کے بارے میں فرمایا ہے والمنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یأمرون بالمنکر وینھون عن المعروف (التوبہ ٦٧) ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں۔

مسلمان اپنے رسول ﷺ کے ساتھ فریضہ دعوت دین میں برابر کے شریک ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ: قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا ترجمہ: کہہ دو کے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (الاعراف ۱۵۸)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (الانبیاء ۱۰۷) اور ہم نے تمہیں تمام عالم کیلئے رحمت بنا کر بھیج دیا ہے۔

خود حضور ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کل نبی بعث الی قومہ انما بعثت للاحمر والاسود ترجمہ: ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ لیکن میں سرخ وسیاہ یعنی تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اب اگر حضور ﷺ کو تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا تھا اور ان کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت کو دوسری قوموں تک کون پہنچائے گا؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری اب آپ ﷺ کی امت پر آپڑتی ہے اور اسی ذمہ داری کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اشارہ فرمایا۔ وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنادیا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور رسول تمہارے اوپر گواہ بن جائے۔

دعوت الی اللہ کس طرح ہو؟

کیا فریضہ دعوت کیلئے بھی کوئی مخصوص طریقہ موجود ہے؟ بالفاظ دیگر وہ کون سا طریقہ ہوسکتا ہے جس پر عمل کر کے فریضہ دعوت کو اس کی اصل روح کے ساتھ دوبارہ قائم کیا جائے؟ اسکا جواب ڈھونڈنے کیلئے جب ہم سرور کائنات ﷺ اور آپ ﷺ کے جلیل القدر صحابہؓ کی دعوتی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو دعوت اسلام کے ہمیں دو طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ (۱) انفرادی دعوت (۲) اجتماعی دعوت

انفرادی دعوت: انفرادی دعوت سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان بحیثیت فرد کے اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرے اور جہاں اور جس وقت بھی اسے موقع ملے، لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے کیونکہ دعوت الی اللہ کیلئے اس طرح کا کوئی مخصوص وقت نہیں ہے جس طرح کہ نماز، روزہ اور زکوۃ کیلئے ہے، بلکہ مسلمان دن اور رات کے ہر لمحے میں اسلام کا داعی ہے۔

قرآن و حدیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر مسلمان اپنی رسائی اور اختیار کے دائرے تک دعوت اسلامی پہنچانے کا ذمہ دار ہے رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے کلکم راع و کلم مسئول عن رعیتہ ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے دست نگر رہنے والوں کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ یعنی کیا تم نے اسلام کی دعوت انہیں پہنچادی تھی؟ اس حدیث سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مسلمان اگر باپ کی حیثیت سے کنبے کا سربراہ ہے تو انہیں دعوت پہنچانے کی ذمہ داری اسی پر ہے۔ اسی طرح جن رشتہ داروں یا دوستوں تک اس کی پہنچ ہے تو انہیں دعوت پہنچانے کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے۔ وہ اگر تاجر ہے تو اپنے حلقہ تجارت میں، اور اگر ملازم ہے تو اپنے حلقہ ملازمت میں فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کا مکلّف ہے۔ وہ اگر کچھ اختیارات رکھتا ہے تو اس کی ذمہ داری بے اختیار مسلمان سے زیادہ ہے۔ اگر دین کا جاننے والا ہے تو اس کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن دین کا جاننے والا سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ اسے تمام دینی علوم پر دسترس حاصل ہو بلکہ اس سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جسے دین کے کسی بھی مسئلے کے بارے میں علم ہو، اور یہی مراد سرور کائنات ﷺ کی اس حدیث کی ہے کہ من رای منکم منکرا فلیغیرہ یعنی تم میں سے جو بھی کوئی برائی دیکھے تو اس کو روکے۔ اسلئے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاں بھی کوئی ایسا کام دیکھے جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ یہ اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک برائی ہے تو اس کو روکے اور یہی انفرادی دعوت کا مفہوم ہے۔

اجتماعی دعوت: جس طرح ہر مسلمان بحیثیت فرد کے دین کی دعوت پہنچانے کا ذمہ دار ہے اسی طرح تمام مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اجتماعی طور پر دعوت دین کیلئے منظم طور پر کام کریں۔ اجتماعی دعوت اپنی اہمیت کے لحاظ سے انفرادی دعوت سے بڑھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر ہے۔اس لئے قرآن وحدیث نے زیادہ زور اجتماعی دعوت پر دیا ہے۔قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر مسلمانوں کو بحیثیت امت کے فریضہ دعوت کے قیام کا حکم دیا ہے جیسے کہ سورآل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر

پھر اسی سورۃ میں آگے فرمایا ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر کا استعمال اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کو دعوت دینی کیلئے اجتماعی جدوجہد کا اہتمام کرنا چاہئے۔اجتماعی دعوت کی اسی اہمیت کی طرف حضور ﷺ نے اپنے ایک قول میں ارشاد فرمایا ہے کہ بھیڑیا صرف اسی بھیڑ پر حملہ کرتا ہے جو اپنے ریوڑ سے الگ ہوتی ہے۔یعنی انفرادی دعوت میں اس بات کا خطرہ ہروقت سر پر رہتا ہے کہ شیطان کسی بھی وقت مسلمان کو اپنے مقصد سے موڑ کر کسی اور سمت میں لے جائے۔اور یہ خطرہ اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے جب معاشرے میں فسق وفجور عام ہو اور قوت اور غلبہ شیطانی قوتوں کے پاس ہو۔

موجودہ دور میں ہر نظریہ کی پشت پر کوئی نہ کوئی مضبوط اور منظم قوت موجود ہے جو اپنے نظریئے کو نت نئے وسائل کے ذریعے پوری دینا پر مسلط کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ایک طرف اگر عیسائی مشنری اداروں نے پوری دنیا میں مدارس اور مختلف رفاہی اداروں کی شکل میں اپنے جال بچھائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف مخالف اسلام قوتوں کے اس اجتماعی طریقہ دعوت کے نتیجے میں آج مسلمان اسلام کے دائرے سے نکل رہے ہیں۔اس اجتماعی طریقہ دعوت کا مقابلہ صرف ایک منظم اور اجتماعی قوت سے ہی کیا جاسکتا ہے۔انفرادی طور پر ہم وعظ وارشاد کی خواہ کتنی ہی مجالس منعقد کرلیں لیکن ہم باطل نظریات کی اس اجتماعی یلغار کو نہیں روک سکتے۔اس لئے آج ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی بقا اور دین کے دفاع کیلئے اٹھے اور غفلت میں پڑے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کے احساس کو جگانے ،ان کو گلی گلی اور محلے محلے میں منظم کر کے اجتماعی طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نظام قائم کرے۔بھلائی کو فروغ دینے اور برائی کو مٹانے کا کھٹن اور مشکل کام صرف باہمی تعاون سے انجام دیا جاسکتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور برائی اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک اہم اور اصولی قاعدہ ہمیں سکھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم جہاں اور جس کو بھی بھلائی کا کام کرتے ہوئے دیکھیں اس کے ساتھ تعاون کریں۔قطع نظر اس کے کہ دوسرے امور میں وہ ہمارا مخالف ہے یا موافق۔تعصب اور اندھی دشمنی اختیار کر کے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں مخالفت کرنا مسلمان کی شان نہیں۔

اسلام کی دعوت وتبلیغ کے اس ترک شدہ فریضے کو قائم کرنے کی جتنی ضرورت آج ہے،اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔اس لئے آج ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنے کیلئے انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے فریضہ دعوت دین کو قائم کرنے کا اہتمام کرے۔دعوت الی اللہ کے اس ہمہ گیر تصور کو اگر ہم اس طرح نظر انداز کرتے رہے تو دنیا میں ذلت اور رسوائی کا عذاب تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں آخرت میں بھی اس کا سخت مواخذہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔(آمین)

بشکریہ ماہنامہ ''الفاروق'' ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ)

© rasailojaraid.com